تبادلۂ خیال

ڈاکٹر اسرار احمد کی بیعت سمع وطاعت اور عبدالمجیبؔ صاحب کا منفی اندازِ فکر۔

مولانا سعید الرحمٰن علوی

محترم عبدالمجیب صاحب نامی کوئی بزرگ ہیں، انہوں نے ملک کے مختلف رسائل میں اپنا ایک مضمون شائع کرایا ہے ——————— جسکا عنوان ہے:

"ڈاکٹر اسرار احمد اور بیعت سمع وطاعت، چند قابل غور پہلو"

ڈاکٹر صاحب کی انجمن خدام القرآن کا سالانہ اجتماع ہر سال منعقد ہوتا ہے جس میں ڈاکٹر صاحب کوشش کرکے ملک کے ذمہ دار علماء اور اہل قلم کو دعوت دیتے ہیں۔ ان اجتماعات میں مولانا شمس الحق افغانی، مولانا سید محمد یوسف بنوری، مولانا عبید اللہ انور جیسے حضرات شریک ہو چکے ہیں اور زندہ حضرات میں سے مولانا محمد طاسین، مولانا سعید احمد اکبر آبادی مولانا اخلاق حسین دہلوی، مولانا مفتی محمد حسین نعیمی جیسے حضرات ان محافل کو اپنے افکار و آراء سے آگاہ کر چکے ہیں امسال ۲۳ تا ۲۸ مارچ کو ڈاکٹر صاحب کے مرکز "کے بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور" یہ اجتماع منعقد ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے اب کی مرتبہ کوشش یہ کی اور یہ کوشش ایک خوبصورت جدت تھی کہ اپنی تنظیم اسلامی کے پروگرام پر مشتمل ایک مختصر خاکہ ملک کے یکصد کے قریب علماء کو بھیجا کہ وہ اس پر غور فرمائیں اور کھلے دل و دماغ سے اس پر تنقید و تبصرہ کرکے اپنی رائے سے آگاہ کریں اور تنظیم کے کارکنوں کے اجتماع میں تشریف لاکر اپنی رائے سے مطلع فرمائیں تاکہ کارکنان تنظیم اسلامی کو رہنمائی نصیب ہو۔

ہماری معلومات کے مطابق محترم مجیب صاحب اس فہرست میں شامل نہ تھے جنہیں یہ دعوت نامہ ارسال کیا گیا ہمیں قطعاً حرج نہیں کہ انہوں نے اپنے طور پر اس طرف توجہ دی اور اپنی رائے سے مطلع کیا، انہوں نے اپنے افکار تحریری طور پر نہ صرف ڈاکٹر صاحب کو ارسال کیے بلکہ بعض رسائل میں بھی ان کو برائے اشاعت بھیج دیا۔ ہمارے خیال میں ان کا یہ اقدام بوجوہ ناپسندیدہ تھا، انہوں نے اپنی رائے

ڈاکٹر صاحب کو ارسال کر کے اپنا فرض ادا کیا اب رسائل و جرائد میں اس کی اشاعت کوئی پسندیدہ بات نہ تھی اس سے ایک ناگوار بحث کے چھڑ جانے کا اندیشہ ہے جس کی صائب الفکر اور سنجیدہ اہل علم و قلم سے توقع نہیں کی جاسکتی۔

ہمیں مجیب صاحب سے شخصی تعارف نہیں، ہاں شنید ہے کہ وہ کسی زمانہ میں اسلامی جمعیۃ طلبہ کے سرگرم رکن رہ چکے ہیں اور اغلبا اسی دور میں رکن تھے جب ڈاکٹر صاحب اس تنظیم میں شامل تھے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے جماعت اسلامی میں شمولیت کر لی پھر علیحدگی کا دور آیا تو شنید یہ ہے کہ مجیب صاحب اس علیحدگی کے عمل سے سخت ناراض تھے، گو کہ مجیب صاحب بعد میں خود بھی اس قافلہ سے الگ ہو گئے، یہ بھی معلوم ہوا ہے اور غالباً کسی رسالہ میں ایسا چھپا بھی کہ وہ سعودی عرب میں کسی محکمہ میں مشیر کا فرض سرانجام دے چکے ہیں اور آج کل ان کا گہرا تعلق و ربط مولانا ظفر احمد انصاری جیسے بزرگوں سے ہے جو ایک مخصوص سوچ کے حامل ہیں موصوف کے اس پس منظر سے واقفیت کے بعد ان کے موجودہ افکار کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کیونکہ ساری تحریر کو پڑھنے کے بعد تاثر یہی ابھرتا ہے کہ ان کے نزدیک پاکستان کی موجودہ حکومت اور اس کے سربراہ ایک آئیڈیل انسان ہیں اور دسمبر ۱۹۸۴ کا ریفرنڈم ان کے حق میں اجتماعی بیعت کا مصداق ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ اب کسی کو لب کشائی کی اجازت نہیں۔ بلکہ با ادب با ملاحظہ ہوشیار کے سے انداز میں زندگی گزارنے اور دم نہ مارنے والی صورت ہے، لیکن یہ بات کسی طرح صحیح نہیں اور مجیب صاحب خوب جانتے ہیں کہ تقسیم ملک ۱۹۴۷ سے لیکر اب تک جتنی مختلف حکومتیں آئیں ان میں سے موجودہ حکومت واحد حکومت ہے جس نے اسلام کا پروپیگنڈا بے انداز طریق سے کیا لیکن اسی کے دور میں اسلامی اقدار و روایات کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا۔

ہم سیاسی مسائل کو چھیڑے بغیر دینی حوالہ سے اگر گفتگو کریں اور وہی ہمارا مطمح نظر ہے تو پھر یہ کہنے میں قطعاً باک نہیں کہ اس دور کے حکمرانوں نے ایسی صورت حال پیدا کر دی ہے کہ آئندہ شاید اس ملک میں اسلام کا نام لینا آسان نہ ہو۔

چادر چار دیواری سے جو بات چلی تو لڑکیوں کی ہاکی ٹیم تک پہنچی پھر قانونِ شہادت کے حوالہ سے عورتوں کا ہنگامہ، اسمبلیوں اور وزارتوں میں عورتوں کا راج، یہ سب باتیں اس ابتدا کی نفی ہیں، اور ملک کی خاتونِ اول کا ساری دنیا میں بے باکی سے پھرنا ایک ایسا المیہ ہے جسکی کوئی توجیہہ ممکن نہیں۔

وفاقی شرعی عدالت قائم کرنے کے باوصف بعض نہایت درجہ غلط اور فاسد قوانین کو تحفظ بھی اسی دور کا معاملہ ہے، فقہ جعفریہ کے علمبرداروں کے معاملہ میں نرم گوشہ اور اسی حوالہ سے معاشیات میں

بدعملی اور ملک کے پرسنل لا، میں بدعملی بھی اسی دور میں دیکھنے میں آئی فرقہ وارانہ اختلافات اور جھگڑوں نے اس دور میں پوری قوت سے سر اٹھایا، ان معاملات کے علمبرداروں نے پاکستان سے انگلینڈ تک مساجد کی خانہ ویرانی کا سامان کیا حتیٰ کہ حرمین شریفین کی تقدیس کے عنوان سے خالص یہودیانہ پروپیگنڈا ہوا، اور یہ ایسے لوگوں نے کیا جو حکومتی اداروں میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں اور بہت بڑھ کر ستم یہ ہے کہ حکومت نے جو قومی سطح پر ادارے قائم کیے یا پہلے سے قائم تھے انہیں مسلکی بنیادوں پر افراد کا تقرر کر کے نہ صرف ان اداروں کی کارکردگی کو متاثر کیا بلکہ فرقہ واریت کے عفریت کو پالا پوسا۔ اس المناک کہانی کو کہاں تک بیان کیا جائے کہ اس دور میں اسلام کی کیا خدمت ہوئی؟

رہ گیا ریفرنڈم کا مسئلہ تو مجیب صاحب جیسے حضرات اگر خوفِ خدا سے عاری نہیں ہو گئے تو انہیں حقائق کو جھٹلانا نہ چاہیئے جو ریفرنڈم کے ساتھ وابستہ ہیں، ۵ سے ۱۰ فیصد یا بعض مقامات پر اس سے ۲،۴ فیصد سے زائد ووٹ پڑے اور بس، اور بعض ملحدوں اور بے دینوں کو یہ کہنے کی جسارت ہوئی کہ لوگوں نے اسلام کو معاذ اللہ مسترد کر دیا، ہمیں افسوس ہے کہ ایک طبقہ اس پر ادھار کھائے بیٹھا ہے کہ گویا موجودہ حکمران قرونِ اولیٰ کے مسلمان ہیں اور ان کے متعلق کوئی سخت بات کہنے والا فساد کا علمبردار ہے، اس ذہن کے مالک ایک بزرگ نے خود ڈاکٹر صاحب کے اجتماع مارچ ۸۵ء میں ایک دن نہیں دو دن ایسی طویل تقریر کی اور ملت کے چیدہ افراد کو تھپکیاں دے کر سلانے کی کوشش کی اور یہ باور کروایا کہ بس اسلام کی خدمت اپنے عروج پر ہے اور حکومت پوری طرح مخلص و موثق ہے لہٰذا کسی ایسی تنظیم و پروگرام کی ضرورت نہیں، سب ٹھیک ہو رہا ہے۔

کتنا ستم ہے کہ مزارات پر حاضری، وہاں دستار بندی، چادریں چڑھانا اور نوافل کی ادائیگی ہر حکومتی اہلکار کی زندگی کا لازمی حصہ بن چکا ہے اور حکمرانوں کے ساتھ ان کے بہی خواہ ان تمام روایات و آثار کو بھول چکے ہیں جو قبروں کی پختگی، وہاں عود و صلیب سلگانے، اور راگ و رنگ کی محفلیں بپا کرنے سے متعلق ہیں اور نہیں سوچتے کہ ایسے ہی اعمال کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کی تباہی و بربادی کا باعث بتایا تھا۔

مجیب صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ "ڈاکٹر صاحب نے اپنی تنظیم کو اپنے ہاتھ پر بیعت سمع و طاعت اور ہجرت و جہاد پر قائم کر رکھا ہے اور اب وہ اس مخصوص بیعت کی تائید و توثیق دیگر اصحاب سے بھی کرانا چاہتے ہیں"۔

یہ اتنا بڑا الزام اور "دروغ بر گردنِ تو" کا مصداق معاملہ ہے کہ توبہ بھلی، ڈاکٹر صاحب

کا وہ دعوت نامہ میثاق مارچ ۸۵ کی اشاعت کے ساتھ ساتھ حکمتِ قرآن کی اشاعت مارچ میں بھی شائع ہو چکا ہے پھر الگ سے ہزاروں کی تعداد میں چھپ کر وہ تقسیم ہوا، اس تقسیم کا مقصد عام لوگوں کو دعوت دینا تھا کہ وہ اس اجتماع میں شرکت کر کے اس موضوع پر علماء کی گفتگو سن سکیں اور اپنی ذمہ داریوں کو پہچان سکیں، تائید و توثیق کا کوئی معاملہ نہ تھا، ایک کھلی دعوت تھی۔ چنانچہ لوگ آئے، آنے والوں میں دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث سبھی طبقوں کے علمائتھے جماعت اسلامی سے الگ ہونے والے بعض حضرات تھے تو ایسے بھی تھے جو اب بھی اس کے بہی خواہ ہیں، یونیورسٹی اساتذہ کی بھی ایک تعداد تھی، ان سب حضرات نے کیا کہا، اس کی نہایت جامع لیکن مختصر داستان میثاق کے حالیہ شمارہ (اپریل ۱۹۸۵) میں خود ڈاکٹر صاحب کے قلم سے نکل چکی ہے۔

بعض مقررین کی تقریریں ہم نے خود سنیں انہیں سے ایسے بھی تھے، جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کی فکر اور ان کے پروگرام پر خوب تنقید کی ڈاکٹر صاحب اور ان کے رفقاء میں سے کسی نے اسکا برا منایا نہ وہاں جوابی کارروائی کا انداز اختیار کیا گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ مخالفت کرنیوالوں کا انداز ایسا ہی تھا جیسا مجیب صاحب کا ہے لیکن اس سے یہ بات تو بہر طور ثابت ہوتی ہے کہ معاملہ تائید و توثیق کا نہیں اظہارِ خیال کا تھا اور رہنمائی کے لیے اہل علم کو دعوت دی گئی تھی۔

مجیب صاحب نے اپنے طور پر ڈاکٹر صاحب کی دعوت کا جو خلاصہ نکالا ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ "پاکست [redacted] ورتیں ممکن ہیں کم از کم معیار پر اسلامی نظام حکومت قائم ہے تو اس کے سربراہ کے ہاتھ پر بیعت ہو ورنہ جدوجہد کرنے والی جماعت کا اہتمام ہو" اس خلاصہ کے بعد جو انہوں نے خود ہی نکالا ہے، پھر یہ لکھا کہ یہ مبالغہ آمیز اور مغالطہ آمیز تصورات و دلائل ہیں، غلط مفروضے پر غلط دعویٰ ہے اور یہ کہ پاکستان کے اندر اپنی متوازی ریاست قائم کرنے کی غلط کوشش ہے"

پھر انہوں نے اسے انتہائی خطرناک اور خوفناک راستہ بتایا، اسے فساد بین المسلمین اور فتنہ و ہلاکت کی راہ سے تعبیر کیا ہمیں ایسے محسوس ہوتا ہے کہ مجیب صاحب شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار بن کر اللہ تعالیٰ کے بعض مخلص اور خدام دین و ملت بندوں کی کردار کشی کا جرم عمداً و قصداً کر رہے ہیں اور اسی پر منحصر نہیں بلکہ وہ ارباب اختیار کو بھڑکانے کی شعوری یا غیر شعوری کوشش کی فکر میں ہیں کہ صاحب چند گستاخ آپ کی مقدس اسلامی ریاست کے باغی بن کر ایک متوازی ریاست کا ڈھونگ رچا رہے ہیں ایسے گستاخوں کو سزا دینا دین و ایمان کا تقاضا ہے ورنہ......

لیکن ہم یہ عرض کرنے کی جسارت کریں گے کہ تاریخ کے ہر دور میں فواحش و منکرات کے

خلاف جہد وسعی کرنے والے بندگان اخلاص کے ساتھ ساتھ اقتدار کی چوکھٹ کو اپنی جبیں سائی سے آباد رکھنے والے موجود رہے ہیں، دونوں طبقوں کا اپنا اپنا کام اور اپنے اپنے فرائض ہیں، ایک کا مقصد اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی، اس کے عملی نفاذ کی سعی و کوشش اور فواحش و منکرات اور بدعات و رسومات کے خلاف مجاہدانہ کاوش ہے تو دوسرے کا کام ارباب اقتدار کی حاشیہ نشینی، ان کے غلط و صحیح سبھی کی تصویب اور اہل دین کے خلاف انہیں بھڑکانا ہے۔

ڈاکٹر صاحب سے ہمارا کوئی جماعتی رابطہ ہے نہ تعلق لیکن ہم نے اس تحریر کے بین السطور جو زہرناکی محسوس کی، اس کے پیش نظر اپنا درد دل سامنے لانے پر مجبور ہو گئے۔

چند روایات و احادیث کا اس قسم کے زہرناک مقالہ میں اندراج اس بات کی دلیل نہیں کہ لکھنے والا قرآن و سنت پر اتھارٹی اور دین اسلام کے معاملہ میں مخلص ہے، یہ تو وہ حربہ ہے جو ہر دور میں ایسے لوگوں نے استعمال کیا، اگر اخلاص کی بات ہو تو افہام و تفہیم کا راستہ اختیار کرنا چاہیئے، نہ کہ حکمرانوں کی نازک رگ اور احساس کو بھڑکانے کی ناشکور سعی۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندوں کو نیچا دکھایا جا سکے، ان سطور میں ان احادیث کے حقیقی مصداق پر گفتگو کا نہ وقت ہے نہ موقع، ہماری خواہش ہو گی کہ مجیب صاحب سے کبھی ملاقات ہو تو ہم اپنے ناقص علم کے مطابق ان سے اس موضوع پر گفتگو کریں۔

لیکن یہ بات بہر طور افسوسناک ہے کہ انہوں نے تہمت و الزام، مغالطہ دہی اور حکمران پرستی کی حد کر دی، ایسی بعض مثالوں کا مختصر ذکر ہوا، آخر میں پھر ایسا ہی انداز ہے کہ اچھا جو شخص ڈاکٹر صاحب کی تنظیم کا ممبر نہیں یا اس سے نکل کر کسی دوسری تنظیم میں چلا جاتا ہے، یا مختلف النوع تنظیموں میں سے کسی کا ممبر نہیں تو وہ کافر ہو گا؟ اور جاہلیت کی موت مر گیا؟

حالانکہ ڈاکٹر صاحب کی گفتگو میں کہیں بھی تو اسکا ذکر نہیں، ذکر ہے تو محض اس بات کا کہ امت کا ہر فرد اپنی ذمہ داریوں، جو ان کا دینی فرائض کو پہچانے۔ اس کے بعد یا تو کسی چلتے قافلہ کے ساتھ بشرط اطمینان لگ جائے، یا اپنے طور پر ترتیب قافلہ کی فکر کرے، لیکن مجیب صاحب خود ہی صغریٰ کبریٰ ملاتے اور نتائج برآمد کر کے دوسروں کے سر تھوپتے ہیں، ایسے ہی انہوں نے ایک اور خوب کہی کہ اپنی اتباع کی دعوت صرف نبی کا کام ہے دوسرے کسی کا نہیں۔ کسی دوسرے کو اسکی دعوت دیتے پھرنا روا نہیں، وہ سچا ہو گا تو لوگ خود ہی پہچان کر ساتھ لگ جائیں گے۔ بالکل صحیح، لیکن اس سے آپ جو نتیجہ برآمد کرنا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کس چیز کے مدعی ہیں یا کس ادعاء کا شکار ہیں، وہ کہاں ہے؟ وہ کہتے ہیں تو بس یہی کہ جہاں زندگی کے سبھی مشاغل میں مصروف و منہمک ہو وہاں اپنے اصلی فرض کو پہچانو

تمہارے خالق ومالک نے آخری نبی کے ذریعے جو دین تمہیں بخشا اس کے معاملہ میں تمہاری کچھ ذمہ داریاں ہیں ان کو پہچانو اور پہچان کر ان کی ادائیگی کی فکر کرو۔ اس سے وہ بات کہاں سے برآمد ہوئی جو مجیب صاحب کے نہاں خانہ دماغ سے اچانک ان کے قلم کے ذریعہ صفحہ قرطاس پر ٹپک پڑی۔

ہم توقع کریں گے کہ مجیب صاحب اور اس قماش کے بزرگ واحباب، صدق واخلاص سے دین کی خدمت کرنے والوں کا راستہ روکنے کی بجائے ان کے دست وبازو بنیں گے اور دنیا کے چند روزہ عیش کے بجائے آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی کی فکر کریں گے کہ یہ چند روزہ عیش محض عارضی اور فانی ہے، اصل فلاح اور کامیابی کا معاملہ آخرت کے ساتھ ہے اور وہ اسی طرح ممکن ہے کہ آدمی اپنے خالق کے دروازے پر اس طرح جھک جائے کہ اسکا ہر قدم اس کی مرضی کے تابع ہو۔

اُمید کہ محترم مجیب صاحب ہماری تلخ نوائی کو معاف فرمائیں گے۔

اور ہماری ان گزارشات پر ٹھنڈے دل ودماغ سے غور کریں گے

اللہ رب العزت ہمیں سلامتی قلب نصیب فرمائے اور صدق واخلاص سے اپنے دین کی خدمت کی توفیق سے نوازے۔

بقیہ: تعارف وتبصرہ

اور معرفت وحدانیت ان کا عنوان ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ہر عنوان پر سیر حاصل اور جامع ومانع گفتگو کی گئی ہے تیسرا باب رسالت سے متعلق ہے چوتھا، پانچواں، چھٹا اور ساتواں آسمانی کتب، تقدیر، ایمان بالملائکہ اور ایمان بالیوم الآخرۃ سے متعلق ہے جبکہ آٹھویں باب میں علامات قیامت پر گفتگو کی گئی ہے نویں باب میں اسلام کے دین فطرت ہونے پر نہایت درجہ پیاری بات چیت کی گئی ہے جبکہ آخری باب اسلام کے عالمگیر دین ہونے سے متعلق ہے جس میں ایک پیغام بھی ہے۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اسے مدارس عربیہ کے درمیانی درجات میں بطور اسباق پڑھایا جائے اور انٹرمیڈیٹ کے عربی نصاب کا بھی اسے حصہ بنایا جائے تاکہ وہ بنیادی حقائق سے آگاہ ہوسکیں اور بدعقیدگی کے دور میں ان کی اصلاح ہوسکے۔

اگر جامعہ کے ارباب حل وعقد اس رسالہ کا ترجمہ کرادیں تو اس سے عام لوگوں کو فائدہ ہوگا کہ یہ بڑا ہی قابل قدر اور وقیع رسالہ ہے۔